فدک کیا تھا خیبر میں اک گاؤں تھا   خدا نے نبیؐ پر جسے فے کیا
نبیؐ۔ اقربائے نبیؐ اور یتیم   مساکین و ابن السبیل اے فہیم

فدک کے محاصل کے حقدار تھے
نبیؐ بہر تقسیم مختار تھے
نظامیؔ

الحمد للہ کہ کتاب ۱۴/

باغِ فدک

جس میں وراثت و ہبہ و وصیتِ فدک کے متعلق بحث کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغِ احکامِ الٰہی کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اور ان کا مقصد دنیاداروں کی طرح اپنے بال بچوں کیلئے جائداد پیدا کرنا نہیں ہوتا

بتقریب ماہِ وصالِ حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

دائرۃ الاصلاح لاہور کو چھپوا کر ارسال

برائے افادہ اہل سنت و الجماعت چھپوا کر
مفت تقسیم کیا

سنہ ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مقدمہ

ضبط کروں میں کب تک آہ
چل رے خامہ بسم اللہ

حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذات ستودہ صفات پر جو رکیک اور سفیہانہ حملے کئے گئے ہیں ان میں صعب ترین غصب فدک کا افسانہ ہے جو اپنی گوناگون کیفیتوں اور بوقلمون دلچسپیوں کے باعث صرف مضحکہ خیز ہی نہیں بلکہ فرقہ اثنا عشری کی مذہبی بے بضاعتی کی روشن دلیل ہے جس پر سرسری نظر ڈالنے سے ہر صاحب انصاف کے لئے یہ نتیجہ مترتب ہوتا ہے کہ یہ بیہودہ اور لغو الزام مذہب اثنا عشری کی اول و ابتدا ہی نہیں بلکہ درحقیقت اس مذہب کی جان اور روح رواں ہے۔ اور اگر فرقہ سبائیہ کے معتقدات میں سے اسے خارج کر دیا جائے تو ان کا قصر مذہب طرفۃ العین میں منہدم ہو جاتا ہے۔ اس اختراع کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جب علمائے اثنا عشری نے کافی تحقیق و تدقیق کے بعد یہ تلخ تجربہ بار ہا کر لیا کہ فرقان حمید اور حدیث شریف کے لامتناہی خزائن سے ان کو ہر بار اپنے مذہب کی استواری اور حمایت دین کے لئے ہمیشہ ٹکا سا جواب عنائت ہوا ہے تو انہوں نے کلام خدائے لایزال اور رسول صلعم سے مجبوراً انحراف کر کے قوت تخیلیہ سے مدد چاہی اور انسانی طبائع کی کمزوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہ کمال حزم و احتیاط ایک ایسا افسانہ تراشا جو ان کے دشمن کی داغ بیل اور رذائل صحابہ (نعوذ باللہ) کے عقدہ کو وا کرنے کے لئے ناخن تدبیر بنے۔ یہی وہ ناپاک الزام وہ گندہ چشمہ ہے جس میں سے بہت سی گندلی اور بدبودار ندیاں مثل احراق خانہ سیدہ، اسقاط حمل غصب خلافت وغیرہ وغیرہ کے پھوٹ کر نکلی ہیں اور جن کا تعفن محمد مصطفےٰ صلعم کے لگائے ہوئے باغ اسلام میں ایمان۔ ایثار۔ ہمدردی۔ زہد۔ اتقا محبت اور ورع کے شاداب اور لہلہاتے ہوئے پودوں کو خشک کر رہا ہے۔ اسی موضوعہ واقعہ ہائلہ کے متعلق عبداللہ ابن سبا کے شیدائیوں نے نہائت دردمندانہ اور جگر شگاف تقریروں اور صبر شکن اور رقت انگیز تحریروں سے فضائے اسلام میں کہرام بپا کر رکھا ہے کہ وا ویلا اسلام تباہ ہو گیا۔ رسول صلعم کی بست و سہ سالہ تبلیغ ہدائت اکارت گئی۔ اہل بیت کرام ظلم و استبداد کے تختہ مشق بنا دیئے گئے اور وہ عرب جس کی

کا یا حضور سرور دو عالم ؐ نے اک آن میں پلٹ دی تھی آپ کے وصال کے بعد چشم زدن میں پھر اپنے دیرینہ محور کفر پر گردش کرنے لگا۔ اور وہ نسخہ کیمیا جس کا اعلان فاران کی چوٹیوں سے کیا گیا تھا اور جس کی بشارت رب قدیر نے آیہ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی میں اپنے پیارے دین کے علم برداروں کو دی تھی اور جس پر حق الیقین کر کے مسلمانوں نے ایلغاریں کرتے ہوئے قیصر و کسریٰ کی گردنیں مروڑ دی تھیں بقول فرقہ اثنا عشری زہر بن کر اسلام کو خاکم بدہن اغارت کر گیا۔ پھر وہی باطل پرستی عود کر آئی اور بزم جاہلیت آراستہ ہوئی اور چند اہل بصیرت جو دین حق کے علم بردار تھے اسلام کی نورانی شمع کو اس محفل سے اٹھا کر خانہ نشین ہو گئے اور اپنی منزل کے دریچوں سے اس عالمگیر تباہی کا بہ کمال اطمینان مشاہدہ کرتے رہے۔ اس الزام کو مزید تقویت دینے کے لئے لازمی طور پر روایات باطلہ اور تاویلات فاسدہ کا ایک طومار بھی فراہم کیا گیا اور اس سب رطب و یابس کی ناپاک گھٹی کچھ ایسی چکنی چپڑی باتوں اور دلآویز طریقوں سے ہر اثنا عشری مومن کو نگلوائی گئی کہ اسے بغض صحابہ کرام ؓ کی تے ہونے لگی۔ اگرچہ اس وقت بھی چند بہی خواہان اسلام نے اس فرقے کو اس نسخہ کے استعمال سے جس کا لازمی نتیجہ ان کی مذہبی موت تھی باز رکھنے کی سعی بلیغ کی اور نصیحت کے نوشدارو سے اس مقدمۃ الجنون کو روکنا چاہا۔ لیکن مریض کی ضدی طبیعت اور ہٹ دھرمی روبہ اصلاح نہ ہوئی اور یہ سوداوی مادہ یہاں تک ترقی کر گیا کہ طبیبوں نے ناچار سے

مریضِ بغض کے حق میں دعا کی ۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

خلاصہ اس نامعقول الزام کا ملا محمد باقر مجلسی نے حق الیقین میں یوں بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ نے حضرت ابوبکر ؓ سے سوال کیا کہ ان کے لئے ان کی میراث کو جو کہ رسول خدا سے باقی رہی ہے تقسیم کرے اور اس چیز کو بھی جو کہ خدا نے از قبیل انفال ان کی طرف راجع کی ہے۔ پس ابوبکر ؓ نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ ہم میراث نہیں رکھتے ہیں جو کچھ کہ ہم سے باقی رہتا ہے وہ صدقہ ہے۔ پس حضرت فاطمہ غضبناک ہوئیں اور اس سے ہجرت کی اور ہمیشہ اسی طرح رہیں تا اینکہ دنیا سے رحلت فرمائی" گویا حضرت صدیق نے ان کا حق غصب کر لیا ان کی دل شکنی کا باعث ہوا۔ چونکہ سواد اعظم کی مذہبی کتابوں اور تاریخوں میں جو ثقہ تر ہیں اور وفات رسول صلعم کے قریب ترین زمانہ میں لکھی گئی ہیں اس الزام کی نسبت

جس طرح کہ یہ کتب اثنا عشری میں مرقوم ہے کوئی ذکر موجود نہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے دعویٰ ہبہ کیا اور حضرت علیؓ حسنینؓ اور ام ایمن کو شہادت میں پیش کیا جسے خلیفہ اول نے مسترد فرما دیا۔ اس لئے ہم پر ہرگز لازم نہیں آتا۔ کہ ہم ایسے لچر و پوچ الزاموں کی جوابدہی اپنے ذمے لیں تا وقتیکہ مدعی اس الزام کو ہماری کتب معتبرہ سے ثابت نہ کرے کہ یہ واقعہ بعینہٖ بقول اثنا عشری اسی طرح ہوا جس طرح کہ ان کی کتب میں تحریر ہے۔ لیکن یہ بحث جس پر حضرات اثنا عشری نے مبسوط رسالے لکھ ڈالے ہیں اور دروغ کو بافروغ کرنا چاہا ہے کچھ ایسی دلچسپ واقع ہوئی ہے کہ ہم اس کا بطلان انہی کی مذہبی کتابوں سے برائے افادہ کافۃ المسلمین کرتے ہیں صاحب انصاف سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر جسے خواہ مخواہ معرکۃ الآرا بنا دیا گیا ہے نہایت ٹھنڈے دل سے غور کریں گے اور مذہب کے معاملے میں شکم پرستی ضد۔ بے پروائی۔ تعلقات رشتہ داری۔ دنیاوی مفاد اور جھوٹی شرم کو بالائے طاق رکھکر اسلام کا سچا اور صحیح مسلک اختیار کریں گے اور ان پاک اور مقدس ہستیوں کو جن کا وجود باوجود خود اسلام کے لئے باعث عز و افتخار ہے مطعون کرکے اور ان سے ناحق بغض رکھ کر اپنے ایمان کو غارت کرنے اور محسن کشی کے بدترین جرم کے مرتکب نہ ہوں گے واللہ ولی الھدایۃ والرشاد

فدک کا جغرافیہ اور اسکے محاصل

قاموس میں لکھا ہے کہ فدک خیبر میں ایک گاؤں تھا مصباح اللغۃ میں ایک قصبہ بیان کیا گیا ہے جو خیبر سے ایک منزل اور مدینے سے دو روز کی راہ پر ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ وہ ایک گاؤں ہے۔ ازہری کہتے ہیں کہ وہ خیبر میں ایک گاؤں ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ حجاز میں ایک نخلستان ہے جسے رب العالمین نے اپنے پیغمبر کے لئے فے کیا تھا۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع میں بھی فدک کی یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ معجم البلدان یاقوت حموی میں لکھا ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے حجاز میں جو مدینے سے دو دن اور بروایت بعض تین دن کی راہ پر واقع ہے اسمیں کھجور کے درخت اور پانی کے بہت سے چشمے تھے اور یہ گاؤں سنہ ۷ھ میں آنحضرت صلعم کو نصف صلحاً حاصل ہوا تھا۔ صحیح بخاری میں مرقوم ہے کہ فدک ایک قصبہ کا نام ہے اس میں اور مدینہ میں تین دن کا فاصلہ ہے۔ متذکرہ بالا حوالجات سے ثابت ہوتا ہے کہ فدک

خیبر میں ایک گاؤں تھا اور جس طرح ہر قریہ اور دیہہ وغیرہ کے حدود معین ہوتے ہیں اسی طرح فدک کے بھی تھے لیکن چونکہ حضرات اثنا عشری ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا تعمیر کرنے کے عادی ہیں اور نہیں چاہتے کہ کسی بات میں بھی سواد اعظم کے دوش بدوش کھڑے ہوں اس لیے انہوں نے فدک کی حد بندی کے متعلق جو روایات قلمبند کی ہیں ان کے مذاق کے بالکل مطابق ہیں اور ناظرین کے لئے بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوں گی

رافضیوں کی جغرافیہ دانی

چنانچہ پہلی روائت ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں بسند عبداللہ بن سنان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ ایک دن رسول مقبول حضرت سیدہ معصومہ بی بی فاطمہ رضہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ جبرائیل امین آئے اور کہا اے محمدؐ اٹھو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے پروں سے آپ کے لئے فدک کی حد بندی کر دوں۔ حضرت سرور کائنات ان کے ساتھ ہو لئے اور کچھ دیر کے بعد واپس آئے اور حضرت خاتون قیامت کے پوچھنے پر فرمایا کہ جبرئیلؑ نے میرے لئے اپنے پروں سے حد بندی کر دی ہے۔ افسوس ہے کہ اس حد بندی کے متعلق کوئی مزید خبر ہم نہیں پہنچائی گئی کہ وہ حدود مقرر شدہ کیا تھے اور کس غرض سے قایم کئے گئے تھے۔ لیکن ایک اور عجیب روایت میں جو اسی کتاب میں ملا صاحب نے مناقب ابن شہر آشوب سے نقل کی ہے فدک کے حدود بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں اور ناظرین کو زیادہ حیرت و استعجاب میں نہیں رکھا گیا اور ہم ملا صاحب کی اس عنائت کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ روائت یوں بیان کی گئی ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضہ سے بارہا عرض کی کہ آپ فدک لے لیجئے لیکن آپ برابر انکار ہی کرتے رہے آخر جب خلیفہ نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے اس وقت تک نہ لوں گا جب تک کہ وہ مع حدود کے مجھے نہ دیا جائے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے قسم کھائی اور فدک کے حدود پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلی حد اس کی عدن ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر امام صاحب نے فرمایا کہ دوسری حد اس کی سمرقند ہے یہ سن کر چہرہ اس کا تمتمانے لگا پھر امام صاحب نے فرمایا کہ تیسری حد اس کی افریقہ ہے جسے سن کر ہارون الرشید کا چہرہ سیاہ ہو گیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ چوتھی حد اس کی کنارہ سمندر ہے جو آرمینیا سے ملا ہوا

ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ آپ نے ہمارے لئے تو کچھ بھی نہ چھوڑا۔ امام صاحب نے کہا کہ اسی لئے میں نے تو کہہ دیا تھا کہ حدود سن کر تم کچھ بھی نہ دو گے۔ لیکن ایک اور روائت میں جو ابن اسباط سے مروی ہے اگرچہ نفس مضمون تو یہی ہے لیکن حدود میں اختلاف واقع ہوا ہے چنانچہ پہلی حد عریش مصر۔ دوسری دومۃ الجندل۔ تیسری اُحد اور چوتھی سمندر۔ بیان کی گئی ہے جسے سن کر ہارون الرشید نے کہا کہ یہ تو تمام دنیا ہے۔ امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ یہ سب یہودیوں کے قبضے میں ابو ہالہ کے مرنے کے بعد تھی۔ خدا نے اس تمام کو اپنے پیغمبر کے لئے بغیر جنگ و جدل کے فتح کیا اور حکم دیا کہ یہ سب فاطمہ کو دیدو۔ اسی صحیفہ مبارکہ میں ملا صاحب تسلیم فرماتے ہیں کہ یہ حدود لغت نویسوں سے ضرور مختلف ہیں لیکن خود ہی اس کا حل نہائت آسانی سے یوں فرماتے ہیں کہ شاید مراد امام صاحب کی یہ ہو کہ یہ سب فدک کے حکم میں داخل ہیں۔ گویا فدک و خلافت دراصل ایک ہی شے ہیں اور خاتون قیامت نے فی الحقیقت خلافت کا دعوےٰ کیا تھا نہ کہ صرف جاگیروں کا جس کی تائید بزور قول امام سے ہو رہی ہے۔ فدک کا نام صرف مثلاً لیا گیا تھا یہ بات بھی باعث تاسف ہے کہ اس کے بعد کی کوئی اور روائت حضرات اثنا عشریوں کے ہاں موجود نہیں ورنہ عجب نہ تھا کہ ہندوستان اور دیگر بلاد جو مسلمانوں نے بعد میں فتح کئے ضرور فدک کے حکم میں آ جاتے۔ ان روایات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت اسلامی کا مختصر نام فدک ہے جسے خدا نے بلا جنگ و جدل اپنے پیغمبر کے لئے فتح کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ سب حضرت زہرا کے حوالے کر دیا جائے۔ یہی روایات صادقہ مذہب حقہ اثنا عشری اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن اہل علم کے نزدیک جو ان کی وقعت ہو سکتی ہے وہ اصحاب معاملہ فہم سے مخفی نہیں۔ ہم بصورت اس کے متعلق سوائے اس کے کہ ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست کہیں اور کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے۔

تمام معتبر کتب تواریخ اس امر کی شاہد ہیں کہ فدک سے ہر سال جو غلہ واثمار آتے تھے ان کی مالیت اس قدر نہ تھی کہ مسلمانوں کو فکر معاش سے مستغنی کر دے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جناب رسول خدا اس میں سے اپنے اہل و عیال کی معمولی ضرورتوں کے مطابق غلہ علیحدہ کر کے باقی مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کی جو مالی حالت عہد رسول میں تھی وہ سب پر عیاں ہے۔ لیکن حضرات شیعہ اس معاملہ میں بھی حسب معمول دور ہی دور کی کوڑی

لائے ہیں اور حیات القلوب اور تشئید المطاعن میں علی الترتیب اس کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار یا بحساب ہندوستان ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ بیان کرتے ہیں جس سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مال مغصوبہ اس قدر مالیت کا تھا کہ جناب صدیق کو اس کا بجقدار پہنچانا دنعوذ باللہ نہائت شاق گزرا۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن حضرات شیعہ نے اس امر کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا کہ آخر حضرت صدیق نے اس مال کو اپنے تصرف میں لاکر کیا کیا عیش منائے اور کون سے شاہانہ ٹھاٹھ قایم کئے۔ کتنے ایوان عالی شان بنوائے اور کتنی جاگیریں اور املاک اپنے اہل و عیال اور قبیلہ کے لئے چھوڑے۔ تمام اہل سیر اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ برحق کی زندگی نہائت سادگی سے بسر ہوتی تھی اور ان کی مالی حیثیت عہد نبوت سے کسی طرح بھی فائق و آسودہ تر نہ تھی لیکن حضرات روافض کو ان باتوں سے کیا سروکار بدنیتی نے انہیں کورانہ تقلید کے جنگل میں ایسی بری طرح پھنسا رکھا ہے کہ وہ "صنم بکم عمی" کی زندہ اور صحیح تصویر بن رہے ہیں اور شب و روز طعنہ پاکان اور سب و شتم کی دیوی کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے بیٹھے ہیں اور بزعم خود روحانی ترقی کے مدارج طے کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

تسخیر فدک

فتح الباری۔ فتوح البلدان۔ تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر میں تسخیر فدک کے متعلق قریبًا قریبًا ایک ہی بیان مرقوم ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو باقی ماندہ چند لوگ قلعہ بند ہو گئے اور جب ان پر محاصرہ کی سختی زیادہ ہوئی تو انہوں نے حضور صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ ان کا خون معاف کر دیا جائے اور انہیں خیبر سے چلے جانے کی اجازت دی جائے چنانچہ ان کی یہ عرض قبول ہوئی جسے سن کر اہل فدک نے جو ایک معین گاؤں کے تھے حضور صلعم سے نصف اثمار اور اموال پر صلح کرنے کی اجازت چاہی اور آپ نے اس کو بھی قبول کیا چنانچہ موضع فدک کا نصف حصہ بلا جنگ و جدل رسول اللہ کے قبضے میں آیا اور اس مال کو اسی وجہ سے فئے کہتے ہیں چنانچہ آیہ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ کی شان نزول تفسیر کبیر میں فدک کے متعلق ہی بیان کی گئی ہے۔

لیکن حضرات اثنا عشری نے حسب معمول تسخیر فدک کے متعلق وہی محیر العقول روایات

قلم بند فرمائی ہیں۔ جن کی ان سے توقع ہو سکتی ہے اور جن کے لئے ان کا مذہب مشہور ہے چنانچہ
پہلی روائت بحار الانوار میں ملا محمد باقر مجلسی نے حضرت امام صادقؑ سے روائت کی ہے کہ ایک
جہاد میں (نام جہاد ندارد) رسول اللہ صلعم تشریف لے گئے اور جب آپ نے مراجعت فرمائی
تو راستے میں آپ نے ایک جگہ (نام ندارد) قیام فرمایا۔ مجاہدین بھی ہمراہ تھے۔ اس مقام پر
حضرت جبرائیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے محمدؐ اٹھو اور سوار ہو لو
حضرت سوار ہو کر حضرت جبرئیل کے ہمراہ ہو لئے اور زمین آپ کے لئے بطور کپڑے کے لپیٹ
دی گئی یہاں تک کہ آپ وارد فدک ہوئے۔ اہل فدک نے جب گھوڑوں کا آنا سنا تو
ان کو خیال ہوا کہ دشمن ان پر چڑھ آیا ہے جس سے مرعوب ہو کر انہوں نے تمام شہر کو فی الفور
مقفل کر دیا اور کنجیاں ایک بوڑھیا کے حوالے کر کے جو شہر کے باہر کسی جھونپڑی میں
رہتی تھی خود پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ جبرئیل اس بڑھیا کے پاس گئے اور اس سے کنجیاں
لیکر تمام شہر کو کھولا اور رسول اللہ نے ہر گھر میں دورہ کیا۔ حضرت جبرئیل نے اس وقت
عرض کی کہ اے نبیؐ یہ وہ ہے جسے خدا نے خاص آپ کو دیا ہے اور یہی معنے ہیں آیہ ما افاء
اللہ کے پھر مکانات پہلے کی طرح بند کر دیئے گئے اور کنجیاں حضرت نے اپنے غلاف سیف میں
رکھ لیں اور زمین پہلے کی طرح پھر لپیٹ دی گئی حتیٰ کہ آپ اسی مقام پر پہنچے جہاں مجاہدین
بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے یہ قصہ ان سے بیان کیا جسے سن کر منافقین چشمک زنی کرنے
لگے پھر آپ نے کنجیاں دکھائیں اور عازم مدینہ ہوئے جب آپ خاتون قیامت کے پاس
تشریف لائے تو فرمایا اے بیٹی اللہ نے فدک تیرے باپ کو عطا کیا ہے اور وہ اسی کے
لئے خاص ہے میں اسمیں جو چاہوں سو کروں۔" یہ مہمل اور بے سروپا روائت جس کا لفظ
لفظ ظرافت کی جان ہے ملا صاحب نے سپرد قلم فرما کر اور اس کمی کو محسوس کر کے کہ تسخیر
فدک میں تو حضرت امیر کا کچھ بھی حصہ نہ ہوا ایک اور عجیب روائت نقل کی ہے جس میں
اس کمی کو بوجود احسن پورا کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ فدک بمدد حضرت امیر تسخیر ہوا
تھا۔ یہ روائت زید بن محمد جعفر علوی سے بسلسلہ محمد بن مروان و عبید بن یحییٰ و محمد بن علی
بن حسین سے مروی ہے کہ جبرئیل حضرت صلعم کے پاس آئے اور آنحضرت نے اپنے ہتھیار
لگائے اور زین کھینچا اور حضرت علی نے بھی ہتھیار لگائے اور زین کھینچا اور پھر دونوں
آدھی رات کو اس طرف چلے جس طرف اللہ کو انہیں لے جانا منظور تھا۔ یہانتک کہ وہ

فدک کے نزدیک پہنچے۔ اس وقت آپ نے حضرت امیر سے کہا کہ یا تم مجھے اٹھا کرلے چلو یا
میں تمہیں اٹھا کرلے چلوں گا۔ حضرت امیر نے کہا کہ میں آپ کو اٹھا کرلے چلوں گا۔
آپ نے فرمایا کہ نہیں میں تمہیں اٹھاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی کو اٹھا لیا اور
شہر پناہ تک لے گئے اور وہاں سے حضرت امیر قلعے میں داخل ہوئے اور اذان کہی
جسے سن کر اہل شہر و قلعہ حواس باختہ ہو گئے اور باہر نکل آئے۔ پھر حضرت علی نے ان
کے اٹھارہ سرداروں کو قتل کیا اور باقیوں نے خود کو حضرت امیر کے حوالے کر دیا اور
آنحضرت نے ان کے بچوں کو اپنے آگے کر لیا اور ان کے مال و اسباب ان کی گردنوں پر رکھکر
مدینے لے گئے۔ پس فدک جس کی تسخیر میں سوائے آنحضرت اور حضرت علی کے اور کوئی
شریک نہ ہوا تھا آپ کی اور آپ کی ذریت کے لئے مخصوص ہوا"۔ اس روائت کے
مطالعہ اور بالخصوص جو سلوک قیدیوں سے کیا گیا ہے اسپر غور کرنے سے اصحاب
دانش کو واضح ہو جائیگا کہ یہ روائت کس قدر پوچ اور لغو واقع ہوئی ہے اور عقل و
دانش وامر واقع کے بیان سے جس احتیاط کے ساتھ گریز کیا گیا ہے اس کی دوسری
نظیر نہیں ہو سکتی۔ اسجگہ گنجائش نہیں کہ ہم اس روائت کے وضع کرنے والوں کے فہم و
ادراک کا فاتحہ پڑھیں یا اس کی لغزشوں کو آشکارا کریں۔ لیکن اس قدر بین الفریقین
مسلم ہے کہ فدک بطور فیئے حاصل ہوا تھا

فیئے کی حقیقت اور اس کا مصرف

فیئے اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو بلا جنگ و جدل ہاتھ آئے اور اس کی حقیقت اور مصرف
کے متعلق کلام باری تعالیٰ میں صریح اور صاف احکام موجود ہیں جن سے اس قضیۂ نامرضیہ
کی بحث کے متعلق کافی مدد حاصل ہوتی ہے سورۂ حشر میں رب العالمین ارشاد فرماتا
ہے مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ - الخ" یعنی
جو مال ان کا اللہ نے اپنے رسول کو دیا اسپر تم مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے اور
نہ اونٹ دوڑائے لیکن اللہ جسپر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غلبہ دیتا ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے
ان بستیوں والوں کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیا وہ اللہ۔ اس کے رسول۔ رسول
کے قرابت والوں۔ یتیموں۔ مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے ایسا نہ ہو کہ تم میں جو

دولتمندوں ہی میں یہ مال دائر رہے۔ مسلمانو رسول جو تمہیں دے لے لو اور جس سے وہ تمہیں منع کرے دست بردار ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرو وہ سخت عذاب دینے والا ہے یہ مال ان ہجرت کرنے والے فقرا کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی سچے مسلمان ہیں۔"

یہ آیات مبارکہ اپنی تفسیر خود اس خوبصورتی سے بیان کر رہی ہیں کہ کسی مزید تشریح یا توضیح کی محتاج نہیں اور ان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مال فئے حضورؐ کی ذاتی ملکیت یا خانگی مالیت سے نہ تھا۔ بلکہ آپ کی تولیت میں رب قدیر نے یہ مال اس وجہ سے دیا تھا کہ محتاجوں، مسکینوں، مسافروں۔ یتیموں اور ذوالقربیٰ کی اعانت اور خبر گیری میں صرف ہو۔ اگر یہ مال حضورؐ کی ملکیت قرار دیا گیا ہوتا تو محتاج۔ مساکین۔ یتیموں کو اسمیں شامل نہ کیا جاتا اور اس کے حقدار صرف وہی لوگ ہوتے جو از روئے شرع محمدی وراثت حاصل کر سکتے ہیں۔ حضور صلعم کا طرز عمل بھی اسی بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ اس مال میں سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے معمولی مصارف کے بعد سب فی سبیل اللہ خرچ کر دیا کرتے تھے جو اس بات کی ایک روشن دلیل ہے کہ اسلام خدا کا سچا مذہب ہے جس کے احکام کسی کے ذاتی آرام و آسائش یا فوائد کے لئے نہیں خواہ وہ پیغمبر خدا ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی کوئی الزام رسول پر جلب منفعت یا حصول مال و منال کے متعلق عائد ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلعم بہ حیثیت ایک امین اور خازن کے اس مال پر متولیانہ قبضہ رکھتے تھے اور موجب احکام خدا اس کو صرف فرماتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں اپنی طرف سے نہ کسی کو دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں بلکہ میں تو ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے دیتا ہوں اور جہاں نہیں ہوتا نہیں دیتا۔"

اس معاملہ میں فرقہ اثنا عشری بھی سواد اعظم کا سا عقیدہ رکھتا ہے کہ فئے و انفال ایک شئے ہیں جس پر رسول صلعم بحیثیت ایک متولی کے قابض تھے نہ بحیثیت مالک کے چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انفال اور

فئے میں وہ مال داخل ہے جو بغیر لڑائی کے دار الحرب سے حاصل ہو۔ اور وہ زمین جس کے رہنے والے نکال دیئے گئے ہوں اور بغیر جنگ کے ہاتھ آئی ہو اور زمین اور جنگل اور بادشاہوں کی جاگیریں اور وراثت کا مال یہ سب فئے میں داخل ہے اور وہ خدا اور رسول کا ہے اور بعد رسولؐ کے اس کا جو قایم مقام ہو۔ پھر ایک اور حدیث کافی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ انفال وہ مال ہے جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہو یا صلح سے یا لوگوں کے اپنے آپ دینے سے یا زمین غیر آباد اور جنگل سے وہ خدا کے رسول کا ہے اور بعد ان کے امام کا کہ جیسا مناسب جانے خرچ کرے۔ اور تفسیر منہج الصادقین میں آیۂ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ فئے اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے مسلمانوں کی طرف بغیر جنگ و جدل کے منتقل ہو اور یہ مال رسول کی زندگی میں اس کے لئے ہوتا ہے اور اس کے بعد اس شخص کے لئے جو ائمۂ دین سے اس کا قایم مقام ہو اور اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں دیں اور جہاں چاہیں صرف کریں اور یہ قول امیر المومنین کا ہے اور پھر اسی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن عباسؓ و عمر اور ہمارے فقیہ کہتے ہیں کہ فئے اور خمس کے بنو ہاشم مستحق ہیں جن سے اولاد ابو طالب اور عباس مراد ہے نہ کہ صرف بنی فاطمہ ان تمام روایات سے یہ بات صاف ثابت ہوتی ہے۔ کہ مال فئے پر رسول کا تصرف متولیانہ ہوتا ہے نہ کہ مالکانہ اور بعد رسول کے یہ مال ان کے قایم مقام کی تحویل میں اسی حیثیت سے منتقل ہو جاتا ہے نہ کہ بطریق ترکہ و وراثت کے۔ یہ ایک دوسری بحث ہے کہ جائز امام اور قایم مقام کون ہے۔ ہمیں اس جگہ صرف یہی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام فقہائے حنفی و شیعی اس بات پر متفق ہیں کہ مال فئے رسول کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کی تولیت میں برائے صیانت و حفاظت مسلمین کے ہوا کرتا ہے۔ ترکہ یا وراثت کے احکام اسمیں جاری نہیں ہو سکتے ورنہ ضرور تھا کہ یہ مال نسلاً بعد نسلاً برابر ورثا میں تقسیم ہوتا چلا جاتا اور انہیں اس کے متعلق کل حقوق مالکانہ بھی حاصل ہوتے لیکن شہادت کثیر اس امر کی موید ہے کہ حضرت عمر خطاب کے عہد حکومت میں یہ مال حضرت عباس اور حضرت علی کی تحویل میں رہا۔ پھر حضرت حسن کے قبضہ میں آیا۔ جن کے بعد سید الشہدا اس کے منتظم ہوئے اور اسی طرح منتقل ہوتا ہوا عمرو بن عبد العزیز کو پہنچا جنھوں نے اسے پھر اولاد فاطمہ پر لوٹا دیا۔ اگر یہ مال رسول کی ذاتی ملکیت تھا تو کیوں ائمہ معصومین نے جو قرآن ناطق

صاحب اختیار ہو کر بھی اسمیں احکام وراثت کو جاری نہ کیا اور صرف اسپر اپنا قبضہ متولیانہ رکھا۔ بالخصوص امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے تو یہ نہائت ضروری تھا کہ وہ اولاد فاطمہ کو تو کم از کم محروم الارث نہ کرتے اور انہیں یہ مال مطابق شرع محمدی کے تقسیم فرماتے۔ تاکہ وہ زخم جو اہل بیت کے دلوں پر حضرات شیخین نے نعوذ باللہ لگایا تھا کسی قدر مندمل ہو جاتا۔ لیکن آنجناب نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسے تماوش کرنے دیا اور اسپر حق بحقدار رسید کا پھاہا نہ رکھا۔

دعویٰ وراثتِ فدک

اب ہم پھر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ علمائے شیعہ نے بموجودگی اقوال آئمہ معصومین اور شہادت کثیر کے جو شور و شغب برپا کر رکھا ہے وہ کہاں تک جائز اور درست ہے اس میں اصلیت کس قدر ہے؟ یہ الزام بھی جو حضرت صدیق اکبرؓ پر عائد کیا گیا ہے دیگر الزامات کی طرح یکصد و ہفتاد قالب میں جلوہ گر ہو چکا ہے اور الزام دہندوں نے قدم قدم پر منہ کی کھائی ہے اور ہمیشہ اپنے مقصد میں ناکام ہی رہے ہیں۔ اگر انہیں کہیں ذرا سا بھی سہارا مل جاتا تو وہ اپنی کامیابی پر نازاں ہو کر خدا جانے اس پر اور کتنے حاشیے چڑھاتے اور کس قدر بہتان عظیم اور جھوٹے افسانے اختراع پا کر عوام کے لئے غارتگر دین و ایمان ہو جاتے۔ لیکن خداوند جل و علا اپنے پاک بندوں کی عصمت کا خود محافظ ہے۔ یہ عیارانہ چالیں اس کی رحمت کے مقابلے میں کہاں پروان چڑھ سکتی تھیں آخر ان کا دروغ بے فروغ ہی رہا اور آج بھی اسی جل شانہ کی رحمت کے صدقہ میں سواد اعظم کے تیس کروڑ افراد اپنے پیارے نبی اور اس کے پیاروں پر ہر نماز و تسبیح کے بعد درود و سلام بھیج کر خدا اور رسول کی خوشنودی کے سزاوار ہو رہے ہیں

کہا جاتا ہے کہ حضرت خاتون قیامت نے سب سے پہلے دعوے میراث کا کیا جسے حضرت صدیق نے بروائت خود اس حدیث کی بنا پر کہ گروہ انبیا نہ کسی سے میراث پاتے ہیں اور نہ کوئی ان کے مال میں سے میراث حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ جو کچھ ان سے باقی رہے وہ صدقہ ہوتا ہے آپ کے دعوے کو مسترد کر دیا۔ حالانکہ یہ حدیث احکام خدا کی صریح مخالفت کر رہی ہے جیسا کہ آیہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ

الْاَقْرَبُوْنَ سے جسمیں نبی وغیر نبی سبھی کا شامل ہونا مترشح ہوتا ہے اور آیہ مبارکہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اور وَہَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ سے صاف پایا جاتا ہے کہ انبیا بھی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ پیشتر ازیں کہ ہم اس الزام کا ازالہ کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فدک جو متنازعہ فیہ ہے اس کے متعلق یہ ثبوت بہم پہنچائیں کہ وہ رسول کا ذاتی مال تھا اور تا وقتیکہ یہ ثابت نہ ہو جائے اس معاملہ پر بحث کرنا عبث ٹھہریگا اور کوئی مفید نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ فدک کے متعلق اوراق ماسبق میں ہم نہائت اختصار کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ مال فئے کے حکم میں داخل تھا جسپر نبی کریم متولیانہ قبضہ رکھتے تھے نہ کہ مالکانہ۔ اس لئے جناب صدیق کا حضرت فاطمہ کو فدک سے کوئی ترکہ نہ دینا بغض و عداوت پر مشتمل نہ تھا بلکہ ان کی کمال ایمانداری اور متابعت احکام خدا اور رسول پر مبنی تھا اور یہی ایک خلیفہ برحق کی شان کے شایان تھا حضرات اثنا عشری نے دعوے ورثہ کے متعلق جو چیخ پکار کی ہے وہ بموجودگی ان واقعات صحیحہ کے صدا بصحرا کا حکم رکھتی ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ لیکن اگر بہ طریق تنزل یہ مان بھی لیا جائے کہ فدک آنحضرت صلعم کی ذاتی مالیت سے تھا اور قانون وراثت کے تحت میں آسکتا تھا تو ہمیں یہ امر بھی لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس جائداد کی سیدہ معصومہ ہی وارث نہ تھیں۔ بلکہ دیگر ورثا مثل امہات المومنین اور حضرت عباس بھی تھے اور تعجب ہے کہ یہ دعوے سوائے خاتون قیامت کے اور کسی کی طرف سے پیش نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس امر کا انکشاف کیا گیا ہے کہ تمام دیگر ورثا کن وجوہ کی بنا پر محروم الارث قرار دیئے گئے اور وہ کیوں اپنے جائز حقوق سے مستغنی ہو کر خاموش ہو بیٹھے۔ یہ امر اگر حضرت فاطمہ کی دل شکنی کا باعث قرار دیا جا سکتا ہے تو دیگر ورثا کا بدرجہ اولی ہونا چاہئے اور حضرت صدیق کا یہ فعل حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضوان اللہ تعالے علیہم کے لئے بہت سے بھی اور معاون پیدا کر دینے کا ایسا وسیلہ تھا جس سے بہتر کوئی اور دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جب حضرات شیعہ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ حضرت عباس بعد از وصال حضرت صلعم تا وفات خود حضرت صدیق کے یاور اور مددگار رہے اور امہات المومنین نے حضرت صدیق کو ہمیشہ عزت و حرمت کی نگاہوں سے دیکھا اور ان کے اقربا اور رشتہ داروں نے ہمیشہ خلیفہ اول کی متابعت کو باعث فخر و مباہات جانا تو ان کی تمام آرزوئیں اور امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔

اوران کے لئے سوائے اس کے کہ وہ نہائت قرینے سے یہ الزام اپنی بغل میں دبائے ہوئے پسپا
ہو جائیں اور میدان وراثت سے فرار اختیار کر لیں اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا یہ امر بھی
وضاحت طلب ہے۔ کہ حضرت صدیق نے محض حضرت خاتون قیامت کا حق غضب کرنے
کے لئے اپنی پیاری بیٹی حضرت عائشہ کو بھی محروم الارث کر دیا ہو۔ حالانکہ لفنسانیت اور
حصول مال کی آرزو اس امر کی متقاضی تھیں کہ حضرت عائشہ کے توسل سے ہی یہ تمام
جائداد حضرت صدیق کے قبضے میں آتی اور جس طرح شیعہ حضرات نے فدک صرف حضرت
فاطمہ کے لئے ہی مخصوص کر لیا ہے۔ اسی طرح یہ حضرت عائشہ کی واحد ملکیت میں دیدیا
جاتا۔ لیکن واقعات کچھ اور ہی ثابت کر رہے ہیں۔ جو آیات حضرات اثنا عشری نے اپنے دعوے
کے اثبات میں پیش کی ہیں اور ان سے جو استدلال کیا ہو وہ ان کی خوش فہمی پر دال ہے اور
ہم یہاں ان کی تسلی کے لئے کافی کلینی سے ایک روائت جو حضرت امام جعفر صادق سے مروی
ہے پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ علما پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں اور یہ بات اس
طرح ہے کہ انبیا کوئی میراث نہیں چھوڑتے اور دینار و درہم میں بھی میراث نہیں پاتے اور
سوائے اس کے نہیں کہ ان کی میراث ان کی تعلیم ہے اور جو اس سے بہرہ مند ہوا اس نے میراث
حاصل کر لی۔ یہ ارشاد امام جو حضرت اثنا عشری کے لئے بمنزلہ نص قرآن ہے ضرور قابل غور
ہے اور وراثت انبیا کی اس سے بہتر تشریح اور کیا ہو سکتی ہے ✤

ان سلیمان ورث داؤد ان محمد ورث سلیمان

تاریخ

حضرت ابراہیم ع
ہارون
حضرت لوط ع
بیٹی
حضرت ایوب ع
حضرت اسمعیل
حضرت اسحاق
یعقوب ع
یہودا
لاوی
حضرت یوسف ع
حضرت موسیٰ و ہارون ع
داؤد ع
حضرت سلیمان
یوشع بن نون
خلیفہ حضرت موسےٰ ع
عیسیٰ بن مریم و یحییٰ بن زکریا
حضرت محمد صلعم

جس حدیث کو ہم نے زیب عنوان بنایا ہے وہ حضرت ابی عبداللہ (حضرت جعفر صادق) سے کلینی کی روائت کردہ ہے اور شیعوں کے ہاں نہائت ہی معتبر ہے اس حدیث نے معاملۂ وراثت کا تو فیصلہ ہی کر دیا اور گنجائش چون وچرا باقی نہ چھوڑی۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤدؑ کے اور حضرت محمد صلعم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے۔ مندرجہ بالا شجرہ کے دیکھنے سے واضح ہو گا کہ حضرت داؤد کے بھائی اور بھی تھے۔ اس لئے یہ بیان کیا جانا کہ سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے ضرور کچھ معنی رکھتا ہے۔ کیا اس سے مال کی وراثت مراد ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ باپ کے مال کی وارث تو ساری اولاد ہوتی ہے قرآن مجید میں وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ بیان کیا جانا وراثتِ مال کے متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ کلام اللہ میں یہ کوئی بیان کرنے کے قابل بات نہیں ہر ایک بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہی۔ پھر حضرت جعفر صادق کا یہ بیان کرنا کہ حضرت رسول کریم صلعم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے کسی صورت میں بھی توریثِ مال کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ حضور علیہ السلام حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت سلیمان حضرت اسحٰق کی پھر ان ہر دو کے درمیان درجنوں پشتیں اور اٹھارہ سو سال کا زمانہ حائل ہے۔ اگر اس سے میراثِ مالی مراد لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت سلیمان کے خاندان میں کوئی شخص نہیں رہا تھا کہ بنی اسرائیل کا مال بطور وارثان بازگشت بنی اسمٰعیل کو ملا اور پھر بنی اسمٰعیل میں سے دوسروں کو محروم کر کے صرف حضور علیہ السلام کو کیوں وارث مقرر کیا گیا؟

علاوہ اس کے حضرت زکریا کی اس دعا کو دیکھو جو قرآن پاک میں موجود ہے کہ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ یعنی یا اللہ مجھے ایسا بیٹا عطا فرما جو میرا وارث اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ حضرت زکریا حضرت یعقوب سے دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد پیدا ہوئے کیا اس ہزارہا سال تک بنی اسرائیل میں جائداد غیر منقسم پڑی تھی جس کی وراثت حضرت یحییٰ کو ملنی تھی؟ کیا پیغمبروں کا اپنے جانشین کے لئے دعا مانگنا مال کی وراثت کے لئے تھا۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو اس سے زیادہ فضول اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ پس لامحالہ یہی ماننا پڑے گا کہ قرآن و حدیث میں جو انبیاء علیہم السلام کے متعلق وراثت کا ذکر ہے اس سے علم و نبوت کی میراث مراد ہے اور یہ

وہ میراث ہے جس میں پشتوں اور زمانوں کا بُعد وجہ محرومیت نہیں ہو سکتا۔ اور انبیا نہ مال میں کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث بنتا ہے بلکہ جو کچھ وہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ اور عام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ فدک یا کوئی اور جائداد بطور ترکہ رسول اللہ صلعم کے ورثہ میں نہ تقسیم ہو ئی تھی نہ ہوئی۔ ھو المقصود

آیتِ وراثت کی مخاطب صرف امت ہے

اسی طرح آیہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ میں لفظ کُم خطاب بہ امت ہے نہ کہ رسول کے لئے۔ یہاں ایک لڑکے کو دو لڑکیوں جتنا حصہ دینے کا حکم ہے مگر رسول اللہ صلعم کے متعلق نص قرآنی موجود ہے کہ وہ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور انبیا کے خاتم ہیں۔ نیز حضور کی وفات سے پہلے آپ کی تین صاحبزادیاں فوت ہو چکی تھیں۔ پس اس آئت کے مخاطب رسول اللہ صلعم کس طرح ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کی اولاد میں سے صرف ایک ہی بیٹی باقی تھی۔

ایسی تخصیصی آیات اور بھی قرآن حمید میں مذکور ہیں جن کا اطلاق نبی پر نہیں ہو سکتا یا جو امت کے لئے نہ تھیں اور صرف نبی کے لئے ہی نازل ہوئی تھیں جیسے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کا حکم وغیرہ۔

جب علمائے اثنا عشری نے اس دعوے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم کر لیا کہ یہ سارا بنا بنایا گھر گرا جاتا ہے تو اس ضمن میں آیات قرآن مجید اور اقوال ائمہ سعید ان کے اس عقیدے کو بیخ و بن سے اکھاڑ رہی ہیں تو انہوں نے بہ کمالِ فراست اس دعوٰی سے گریز کر کے ایک نیا افسانہ تراشا اور روایاتِ باطلہ کے سہارے اسے پیش کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا اور وہ دعوٰی ہبہ ہے

ہبہ کے دعوے کا بُطلان

یہ دعوے بھی بلحاظ ان نقائص اور کمزوریوں کے جو ہر قدم پر اس کے سد راہ ہو رہی ہیں نہائت ہی دلچسپ واقع ہوا ہے اور علمائے اثنا عشری نے اس میدان میں بھی ایسی شکست کھائی کہ انہیں پھر اپنے پاؤں کھڑے ہونے کی سکت نہیں رہی۔ خلاصہ اس دعوٰی کا

یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ روحی لہ الفداء نے فدک خاتون قیامت کو ہبہ کر دیا تھا اور اس پر ان کا
قبضہ بھی کرا دیا تھا لیکن خلیفۂ اول نے بعد از وصال رسولؐ خدا حضرت فاطمہ کے عامل کو فدک سے
باہر نکال دیا اور اسے غصب کر لیا۔ اس دعویٰ کی تائید میں کہ حضرت فاطمہ حین حیات رسول مقبولؐ
میں فدک پر قابض تھیں حضرات اثنا عشری کی طرف سے کوئی دلیل یا روایت وضعی یا اصلی
سچی یا جھوٹی۔ قوی یا ضعیف سنیوں کی معتبر کتابوں سے ایسی پیش نہیں کی گئی جو اثبات دعویٰ
کرتی ہو اس لئے یہ امر خود بمنزلہ اس دلیل کے ہے کہ سیدہ معصومہ فدک پر قابض نہ تھیں اور
جب تک شے موہوب پر قبضہ موہوب لہ ثابت نہ ہو تصدیق ہبہ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ایسا
ہبہ شرع اسلامیہ میں جائز متصور ہو سکتا ہے اگر فی الحقیقت فدک حضرت زہرا کے قبضے میں دیدیا
گیا ہوتا اور آپ اس پر چار پانچ برس قابض رہی ہوتیں اور اس جاگیر کی آمدنی جس کی مقدار
چالیس ہزار درہم بیان کی جاتی ہے آپ کو وصول ہوتی رہتی اور آپ کے کارندے مامور ہوتے
تو یہ سب باتیں ایسی نہ تھیں جو پوشیدہ رہتیں بلکہ برخلاف اس کے عرب کا بچہ بچہ ان سے واقف
ہوتا اور جناب رسول خدا کا اسے ہبہ کر دینا نزدیک و دور مشہور ہوتا۔ اندریں حالات حضرت
صدیقؓ اتنی جرات ہرگز نہیں کر سکتے تھے کہ حکم رسولؐ خدا کو جس سے ہر کس و ناکس واقف تھا۔
کالعدم فرما کر تمام مسلمانوں کو اپنا مخالف بنا لیتے۔ علاوہ ازیں یہ امر اور بھی حیرت خیز ہے کہ آپ
کے دشمنوں نے بھی جن سے آپ فی سبیل اللہ برسر پیکار ہوئے آپ کو ایسا مکروہ اور شنیع الزام
نہیں دیا ورنہ ضرور تھا کہ وہ اپنی بریت اور بغاوت کے جواز میں حضرت صدیقؓ کو خائن ثابت
کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ ان واقعات سے ہم بدیہی طور پر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ
الزام بعد میں وضع کیا گیا اور چو روغن سیاہ اگرچہ در پلاؤ گندہ است لیکن ایجاد بندہ است
کا صحیح مصداق ہے۔

(۲) ہبہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ موہوب ہبہ کنندہ کی ملکیت ہو لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ فدک
آنحضرت کی ذاتی ملکیت سے نہ تھا اس لئے آپ کا اسے بحق فاطمہ زہرا ہبہ کر دینا ہرگز درست متصور
نہیں ہو سکتا

رافضیوں کی پیش کردہ روایات کی حقیقت

دعوئے ہبہ کے اثبات میں بھی علمائے اثنا عشری نے حسب معمول ایک کافی ذخیرہ روایات کاذبہ کا
مہیا کر رکھا ہے۔ لیکن وہ سب روایات کچھ ایسی بے ڈھب واقع ہوئی ہیں کہ ایک دوسری کی مخالف

ومتضاد ہے اور اسپر ستم ظریفی یہ کہ یہ سب مجموعہ پریشان مختلف حنیفیوں کے سر تھوپا جا رہا ہے حالانکہ ان کے راوی جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے سب کے سب پکے شیعہ تھے اور ایسے عقائد رکھتے تھے جنہیں سنکر سلیم الطبع حضرات اثنا عشری بھی کانپ جائیں گے۔ چنانچہ مختصر طور پر پہلے ہم ان روایات کو جو کہ فرقہ سبائیہ میں نہایت مشہور ہیں درج ذیل کرتے ہیں۔

(ا) حضرت ابو سعید خدری سے روایات کی گئی ہو کہ جب آیہ وآت ذا القربیٰ نازل ہوئی تو رسول صلعم نے فدک حضرت فاطمہ کو عطا فرمایا اور پھر عمر بن عبد العزیز نے اسے اولاد فاطمہ پر لوٹا دیا

(ب) طرائف میں ایک روائت بشر بن الولید اور واقدی اور بشر بن غیاث سے مرقوم ہے کہ ان لوگوں نے جناب صلعم سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو حضور نے ایک گاؤں منجملہ یہود کے دیہات کے اپنے لئے علیحدہ کر لیا پھر جبرئیل یہ آئت لائے کہ اپنے ذوالقربیٰ کو ان کا حق دیدو چنانچہ حضور نے ذاالقربےٰ کے معنے اور ان کے حق کی بابت استفسار کیا۔ جبرئیل نے کہا کہ ذاالقربیٰ فاطمہ ہیں اسپر آپ نے فدک انہیں دیدیا اور پھر اور چند باغات بھی انہیں عطا فرمائے اور حضرت فاطمہ تا حین حیات پیغمبر ان کی آمدنی وصول کرتی رہیں

(ج) سید الحفاظ ابن مردویہ نے ایک روائت باسناد ابو الفتح عبدوس بن عبد اللہ ہمدانی و قاضی ابو نصر شعیب بن علی و موسیٰ بن سعید و ولید بن علی و عباد بن یعقوب و علی بن عباس و فضیل و عطیہ و ابو سعید بیان کی ہے کہ جب آیہ وآت ذاالقربیٰ حقہ نازل ہوئی تو رسول صلعم نے حضرت فاطمہ کو بلا کر انہیں فدک دیدیا۔

(د) بحار الانوار کتاب الفتن میں ملا باقر مجلسی نے آیہ وآت ذاالقربیٰ کی شان نزول میں بیان کیا ہو کہ شیخ طبرسی کہتے ہیں کہ ذاالقربیٰ سے مراد قرابت رسول ہے اور پھر انہی سے ایک اور روائت باسناد فضیل و عطیہ و ابو سعید بیان کی ہو کہ جب آیہ وآت ذاالقربیٰ نازل ہوئی تو پیغمبر خدا نے فدک حضرت فاطمہ کو دیدیا

(ھ) عبد الرحمٰن بن صالح نے کہا ہے کہ خلیفہ مامون نے عبید اللہ بن موسیٰ سے لکھ کر فدک کا قصہ دریافت کیا اور عبید اللہ نے اس کے جواب میں اس حدیث کو بیان کیا جسے فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے روائت کیا ہے اسپر فدک مامون نے اولاد فاطمہ کو دیدیا

(و) آیہ وآت ذاالقربیٰ کی توضیح تفسیر منہج الصادقین میں اس طرح مرقوم ہے و نیز سید ابو حمید مہدی بن نزار الحسنی از حاکم ابو القاسم عبد اللہ الحسکانی نقل میکنند کہ در بغداد حاکم ابو محمد

از عمر بن احمد بن عثمان بن حدیث کرد کہ عمر بن حسین بن مالک گفت کہ جعفر محمد الاصمعی بن گفت کہ حسن بن حسین مرا حدیث کرد از ابو عمر بن سعید و علی بن سعید قدری کہ گفتند کہ چوں آیہ وات ذا القربیٰ حقہ نازل شد حضرت رسالت باغ فدک را بفاطمہ عطا فرمود۔

(ز)۔ ملا باقر مجلسی نے ایک اور روائت لکھی ہے کہ محمد بن عباس نے علی سے اور اس نے ابی کریب سے اور اس نے معاویہ سے اور اس نے فضیل سے اور اس نے عطیہ سے اور اس نے ابو سعید سے بیان کیا کہ جب آیہ وات ذا القربیٰ نازل ہوئی حضور نے حضرت فاطمہ کو طلب فرما کر انہیں فدک عطا کر دیا۔

(ح) کتاب سعد السعود مصنفہ سید ابن طاؤس و احقاق الحق مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری و عماد الاسلام وکنز العمال و تفسیر در منثور سیوطی و معارج النبوت میں یہی روائت باسناد فضیل و عطیہ و ابو سعید خدری کے بیان کی گئی ہے کہ آیہ وات ذا القربیٰ کے نازل ہونے کے بعد فدک حضرت فاطمہ کو عطا فرما دیا گیا

اک ہی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

پیشتر اس کے کہ ہم ان روایات پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین رسالہ ہذا کا ان روایات کے راویوں سے تعارف کرا دیا جائے تاکہ انہیں احقاق حق میں سہولت ہو۔ ان روایتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ سب روایات تقریباً ایک ہی شخص سے مروی ہیں جن کا نام ابو سعید تھا اور ان سے عطیہ نے اور اس سے فضیل نے اس روائت کو بتکرار بیان کیا ہے۔ لیکن سلسلہ سب کا ابو سعید ہی پر ختم ہوتا ہے جو در حقیقت ابو سعید خدری صحابی رسول نہ تھے بلکہ وہ ایک اور ہی شخص تھا جو اس پردۂ زنگاری میں یہ ستم ڈھا رہا تھا جس ابو سعید سے یہ روائت بیان کی جاتی ہے وہ کلبی کے خطاب سے مشہور اور صاحب تفسیر تھا اس کے بہت سے نام اور کنیتیں ہیں کبھی وہ محمد بن سائب کلبی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کبھی حماد بن سائب کہہ کر پکارا جاتا ہے اور اسی طرح اس کی کنیت ابو نصر۔ ابو ہشام اور ابو سعید بیان کی جاتی ہے آخر الذکر کنیت کی وجہ سے عام طور پر لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے شاگرد رشید اور پیرو حدیث ابو سعید کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں جس سے مدعا یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ نعوذ باللہ ابو سعید خدری صحابی ہوں گے اور اس کا اصلی نام نہیں بتایا جاتا۔ جس کا مقصد صرف یہی ہے کہ ابو سعید کی کنیت سے فائدہ اٹھایا جائے اور یہ روش عطیہ اور فضیل بن مرزوق نے جو اسی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اختیار کی تھی تاکہ ان کے پیر طریقت کی دروغ بافی کا انکشاف نہ ہو اور یہ روایات محض کلبی کے نام کی وجہ سے اپنے پایہ اعتبار سے نہ گر جائیں۔ تمام معتبر کتب اسماء الرجال میں لکھا ہے کہ کلبی سبائی تھا اور حضرت امیر کی موت کا قائل نہ تھا۔ بلکہ اس کا عقیدہ تھا کہ وہ پھر رجعت کریں گے جب وہ بادلوں کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ حضرت

علی انہیں موجود ہیں اور ابی عوانہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خود کلبی کو یہ کہتے سنا کہ جبریئل پیغمبر پر وحی عرض کرتے اور ایسا اتفاق ہوتا کہ آپ رفع ضرورت کے لئے بیت الخلا جاتے تو جبریئل علی پر اس کو املا کرتے جوزجانی نے لکھا ہے کہ وہ نہائت ہی جھوٹا تھا اور بعضوں نے اس کی تفسیر کا دیکھنا بھی روا نہیں رکھا کیونکہ وہ رافضی تھا اور متروک۔

عطیہ جو کلبی کا شاگرد رشید تھا اپنے استاد کی روایات کو تازہ رکھنے والا اور اس کے نقش قدم پر چلنے والا تھا اور عام طور پر مدلس اور رافضی مشہور تھا فضیل کا بھی یہی حال ہے وہ منکر الحدیث میں سے ہے اور ثقات پر خطا لگانا اس کا کام تھا اور عطیہ سے موضوعات روائت کیا کرتا تھا۔ غرض یہ راوی ہیں ان روایات کے جو علمائے شیعہ کے لئے مایۂ ناز ہیں اور جسے وہ اپنے دعوے کے اثبات میں پیش کرتے ہوئے کچھ بھی تامل نہیں فرماتے۔ ان روایات سے بخوبی منکشف ہوتا ہے کہ اس تمام دفتر کاذبہ کی جڑ کلبی تھا جس سے فضیل اور عطیہ جیسی نامسعود شاخیں پھوٹ کر نکلیں اور رپھول لائیں لیکن وہ کاغذی پھول تھا اصلیت کچھ نہ تھی

فرقۂ سبائیہ کی قرآن فہمی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسجگہ کچھ ذکر آیۂ مبارکہ وآت ذا القربیٰ حقہ کا بھی کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ علمائے اثنا عشری کلام مجید سے کہاں تک مستفیض ہو نیکی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ آیۂ مبارکہ قرآن مجید میں دو جگہ واقع ہوئی ہے ایک سورہ بنی اسرائیل میں پہلا اور دوسرے سورہ روم ا ہ میں اور چونکہ یہ دونو سورتیں مکی ہیں اور اس وقت نازل ہوئی تھیں جبکہ فدک کا وجود ہی نہ تھا اس لئے اس کا اطلاق فدک پر نہائت بے معنی ہے۔ لیکن علمائے شیعہ کے لئے یہ دلیل کافی نہ ہوئی اور وہ برابر اپنا سبق رٹاتے اور کہتے رہے کہ اگرچہ یہ آیات مکی ہیں لیکن خداوند کے علم میں تھا کہ فدک رسول اللہ کو بغیر جنگ جدل کے ہاتھ آئیگا اور مشیت ایزدی میں تھا کہ یہ حضرت فاطمہ کو عطا کر دیا جائے۔ اس لئے اس کا حکم پہلے ہی صادر فرما دیا تھا۔ لیکن اس کا اطلاق بعد میں ہوا مگر اس توضیح سے بھی افسوس کہ وہ مطلب حل نہیں ہوتا کیونکہ روایات دربارہ فدک جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس امر واقع کی موئد ہیں کہ جب وآت ذا القربیٰ نازل ہوئی تو رسول صلعم نے حضرت جبرئیل سے ذا القربیٰ کے معنے پوچھکر فدک حضرت فاطمہ کو عطا کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ جمع خرچ زبانی ہوا تھا اور حضرت فاطمہ کا قبضہ نہیں کرایا گیا تھا اور ہو بھی کس طرح سکتا تھا جبکہ اس وقت فدک کا وجود ہی نہ تھا اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہبہ کے لئے موہوب لہٗ کا موہوبہ پر قبضہ ہونا شرائط ضروریہ سے ہے ورنہ ہبہ جائز متصور نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے

کہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک دفعہ مکے میں اور پھر مدینے میں لیکن قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیہ دو دفعہ نازل ہوئی ہے۔ لیکن دونوں دفعہ مکہ شریف میں ہی۔ شاید اصلی قرآن میں یہ تین دفعہ نازل ہوئی اور اخیر بار مدینے میں اتری ہو۔ یہ امر بھی کہ آیہ وات ذالقربیٰ رسول کے لئے مخصوص تھی اور ذالقربیٰ کے معنی حضرت فاطمہ ہیں بالکل بے سر و پا معلوم ہوتا ہے کیونکہ آیات ماسبق و مابعد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت رسول صلعم کے لئے تخصیصی نہیں بلکہ اللہ پاک نے عام طور پر اپنے بندوں کے لئے اس موقعہ پر توحید۔ احسان۔ صلہ رحم اور مکارم اخلاق کا بیان کیا ہے اور ان تمام باتوں سے امت کی ہدایت مقصود ہے اور یہ تمام امت کے لئے ہے نہ کہ تنہا نبی کریم کے لئے۔ علمائے شیعہ نے ذالقربیٰ کے معنی حضرت فاطمہ اور حقہ کے معنے فدک کے کرکے اپنی خوش عقیدگی کا ثبوت تو ضرور دیا ہے۔ لیکن اس آیہ میں جو وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ یعنی مسافروں کا بھی ذکر ہے ان کی نسبت کچھ بھی نہیں لکھا اور انہیں بکلی محروم کر دینے کے لئے کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی۔ ذالقربیٰ کا لفظ قرآن مجید میں تیرہ جگہ مختلف سورتوں میں واقع ہوا ہے اور کسی جگہ اس کے معنی انفرادی طور پر نہیں لئے گئے اور اگر ہر جگہ اس کے معنی حضرت فاطمہ مراد لئے جائیں تو مسلمان تمام مذہبی قیود سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور غیر محدود مذہبی آزادی پا لیتے ہیں۔

غرض جب اس طرح بات بنائے نہ بنی اور موضوعہ روایات کسی پہلو صحیح نہ بیٹھیں اور ہبہ کا دعوے ہباءً منثوراً ہوتا ہوا دیکھا تو بے بسی کے عالم میں ہمارے شیعہ علما نے یہاں سے بھی کنارہ کشی اختیار کر کے ایک اور راگ بھرا اور وہ یہ ہے

وصیت رسول متعلق فدک

کہتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا نے وصیت فرمائی تھی کہ فدک حضرت فاطمہ کو دیا جائے لیکن حضرت صدیق نے بعد از وصال حضور حضرت زہرا کو اس کا قبضہ نہ دیا اور وصیت میں خیانت کی۔ لیکن اول تو دعوئے وصیت حضرت فاطمہ کی طرف سے پیش ہی نہیں کیا گیا اور نہ خود شیعوں نے اس کے اثبات کے متعلق کوئی قوی روایت بیان کی ہے جو تصدیق دعوی کرتی ہو اس لئے بدیہاً یہ وضعی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ دعوی بوجوہ مفصلہ ذیل درست ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وصیت اور میراث در حقیقت ایک ہی شے ہیں کیونکہ ہر دو کا نفاذ بعد از موت ہوتا ہے اور جس مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی وصیت کس طرح دخل پا سکتی ہے۔ اقوال ائمہ سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نبی کی کوئی جائداد نہ تھی اس لئے فدک کے متعلق وصیت جو حضور سے بیان کی جاتی ضرور ایک موضوعہ روایت

ہے جو قابل اعتماد نہیں۔ علاوہ ازیں وصیت اسی وقت درست ہو سکتی ہے کہ موصی نے
اپنے حین حیات میں اس کے خلاف عملدر آمد نہ کیا ہو لیکن حضورؐ کا یہ فرمان کہ جو کچھ ہم سے
باقی رہے وہ صدقہ ہے اور آپ کا طرز عمل وصیت کی گنجائش نہیں رکھتا اس لئے وہ تمام مال
جو آپ کے قبضے میں حفاظت مسلمین کے لئے تھا آپ کی وفات کے بعد بیت المال میں اسی غرض
سے داخل کیا گیا اور اگر بالفرض یہ وصیت درست بھی مان لی جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے
کہ خلفائے ثلثہ بوجوہات خاص اس کے نفاذ میں مانع ہوئے تو کم از کم ہمیں یہ تو بتلا دیا جائے
کہ وہ کیا مجبوری تھی کہ حضرت شیر خدا نے بھی اپنے عہد حکومت میں اس کو جاری نہ کیا بلکہ خلفائے
ثلثہ کی طرح اس مال کو جو اولاد فاطمہ کا جائز اور واحد ملکیت تھی ان کو نہ دیا۔ اسے فقرا و
مساکین اور ابن السبیل میں تقسیم فرماتے رہے اور جائز ورثا کو محروم ہی رکھا۔ حضرت امیر کی
یہ روش خلفائے ثلثہ کی تائید میں ہے چونکہ یہ الزام حضرت علی کی ذات پر بھی نعوذ باللہ اسی طرح
عائد ہوتا ہے جس طرح کہ خلفائے ثلثہ کو اسمیں ملوث کیا گیا ہے اس لئے شیعہ حضرات نے بحد
امکان اس کو رفع کرنے کی عبث کوشش کی ہے اور مختلف طریقوں سے حضرت علی کو تقسیم میراث سے
بری الذمہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اہل بیت کا معمول ہے کہ وہ مال مغصوبہ کو پھر نہیں
لیتے جیسا کہ رسول خدا صلعم نے اپنا گھر جو کہ مکہ میں تھا بعد از فتح مکہ غاصب سے واپس نہ لیا تھا۔ لیکن
اہل بیت کے طرز عمل سے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ اگر ائمہ کرام اسپر کاربند ہوتے تو حضرت
امیر وہ خلافت جس کے غصب ہونے کا رونا حضرات شیعہ اس شدومد کے ساتھ کہ ان کے حلقوم بھی خشک
ہو گئے ہیں کرتے ہیں ہرگز قبول نہ فرماتے اور نہ ہی حضرت امام باقر فدک پر عمر ابن عبد العزیز کے عہد میں
متصرف ہوتے جیسا کہ مجالس المومنین میں مذکور ہے۔ (۲) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر نے خاتون
قیامت کی اقتدا کی اور فدک سے کوئی نفع نہ اٹھایا۔ لیکن بعض ائمہ کرام کا اسپر قابض ہونا اور
اس سے منتفع ہونا اس حجت کو بھی زائل کرتا ہے اور سخت اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ کیوں ائمہ ہدیٰ
نے اس اقتدا کو جو ان کے لئے بمنزلہ فرض تھی ترک کر دیا۔ (۳) حضرات شیعہ بیان کرتے ہیں کہ
حضرت امیر نے ہبہ و وصیت کے جواز کے متعلق جو شہادت دی تھی وہ کسی ذاتی فائدے کے لئے
نہ تھی۔ بلکہ محض فی سبیل اللہ تھی جسے شیخین نے مسترد کر دیا اور حضرت امیر نے فدک کو بحالت خلیفہ
بھی لینا پسند نہ کیا۔ لیکن یہ جواب بھی نقائص سے مبرا نہیں کیونکہ حضرت امیر کا فدک کو نہ لینا
حضرات شیخین کے فعل کا مصداق ہے اور حضرت امیر کی شہادت کو باطل ٹھہراتا ہی نعوذ باللہ

اگر حضرت امیر نے فی الواقع فدک اس نیت سے نہ لیا ہوتا تو یقیناً اپنی اولاد کے لئے بھی وصیت فرماجاتے کہ وہ بھی اسے قبول نہ کریں تاکہ ان کی شہادت پر انگشت نمائی نہ ہو سکے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور ائمہ کرام اس سے متنفع بھی ہوتے جس سے صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سب افترا عات ہیں اور حق سے بعد المشرقین کے فاصلہ پر ہیں۔

پھر وہی تقیہ

۴۔ جب اس الزام کا کسی طرح بھی ازالہ نہ ہو سکا تو حسب عادت حضرات شیعہ کو وہی تقیہ کا پرانا آلہ استعمال کرنا پڑا۔ اور یہ وہ چلتا ہوا جادو ہے کہ جس کے سامنے کوئی اعتراض خواہ وہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو ہرگز قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ مذہب شیعہ میں تقیہ ایک ایسا عظیم الشان مسئلہ ہے کہ اگر اسے قاضی الحاجات اور حلال المشکلات کے نام سے تعبیر کیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ لیکن اس ضمن میں یہ مسئلہ بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ تمام فقہائے شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب امام خروج کرے اور جنگ و قتال میں مشغول ہو تقیہ حرام ہو جاتا ہے۔ حضرت علی نے مدینہ سے خروج کیا اور حضرت معاویہ سے جنہیں ہمارے شیعہ بھائی مسلمان بھی نہیں سمجھتے برسرپیکار رہوئے پس اندریں حالات تقیہ حرام ہو گیا اور حضرت امیر پر واجب ہو گیا کہ وہ ہر غلطی کی تصحیح کریں۔ ہر بدی کی اصلاح فرمائیں اور پھر شرع محمدی کی تجدید کریں نہ یہ کہ وہ ایسی روش اختیار کریں جس سے وہ تمام نقائص جو چہرۂ اسلام کو بدنما بنا رہے تھے ہمیشہ کے لئے اس پر راسخ و ثابت ہو جائیں۔ لوگوں کی گمراہی کا باعث ہوں۔ کیونکہ وہ شئے جسے امیر المومنین نے جائز رکھا ہو ہمارے لئے باعث اتباع ہے اور اسے ہم کسی زید بکر کے کہنے پر خواہ کیسا ہی فاضل کیوں نہ ہو ترک نہیں کر سکتے۔ فدک کے معاملے میں حضرت امیر نے حضرت ابوبکر کے فیصلے کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا۔ بلکہ صاحب اختیار ہو کر بھی اسے منسوخ نہیں فرمایا اور اسی طرح تمام مومنین اور مسلمین پر روز روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ خلیفہ اول نے جو کچھ بھی کیا وہ نہایت بجا اور درست تھا جس میں احکام خدا اور رسول کے خلاف ورزی کا شائبہ بھی نہ تھا۔

معقولی بحث

اب ہم نقلی بحث کو چھوڑ کر اس معاملے میں عقلی بحث کرتے ہیں کہ کیا رسول خدا نے فدک سچ مچ

حضرت زہرا کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی بڑی جاگیر جس کی آمدنی ایک لاکھ چالیس
ہزار روپیہ بیان کی جاتی ہے پیغمبر خدا نے حضرت فاطمہ کے سپرد کر دی ہو اور مسلمانوں کی جملہ
ضروریات کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا ہو۔ کیا یہ اسوۂ حسنہ رسول سے توقع کی جاسکتی ہے کہ مسلمان
تو روٹی سے محتاج ہوں۔ گھروں سے مستغنی ہو کر اصحاب صفہ کا لقب پائیں۔ کفار کے
حملوں سے ایک لحظہ بھی چین نہ پڑے۔ بلکہ خود رسول اللہ کا یہ حال ہو کہ صبح کا طعام تناول
فرمانے کے بعد نان شبینہ کے لئے توکل پر سہارا ہو۔ امہات المومنین مسکینی میں بسر کر رہی ہوں
تو مسلم فاقوں سے پیٹ کی تواضع کریں اور رحمت اللعالمین جو کسی مسلمان کی ذرہ بھر تکلیف
سے بھی بے چین ہو جاتے تھے یہ سب کچھ ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے رہیں اور اتنی بڑی
جاگیر سے نہ تو خود اور نہ کسی اور مسلمان کو متنفع ہونے دیں بلکہ اسے اپنی اولاد کے عیش و
آرام کے لئے مخصوص کر دیں۔ کیا اس رسول برحق کے لئے جو فقیروں کا ملجا غربا کا سہارا۔
غلاموں کا مولا۔ یتیموں کا والی اور اخلاق حمیدہ کا مجسمہ تھا یہ تمام باتیں محالات و غیر ممکنات
سے نہ تھیں۔ کیا وہ اپنی غریب امت سے اس قدر مستغنی المزاج ہو گیا تھا کہ ان کے دکھ سکھ
سے اسے کوئی تعلق ہی نہ تھا بلکہ جو کچھ وہ کرتا تھا وہ محض نفع ذاتی اور اپنی اولاد کے لئے کرتا
تھا نہ کہ فی سبیل اللہ۔ کیا احسان کا یہی بدلہ تھا کہ وہ مہاجرین جنہوں نے فی سبیل اللہ اپنے
گھروں اور مالوں کو راہ خدا میں قربان کیا ہجرت کے مصائب برداشت کئے اور خوشی سے
فقر و فاقہ قبول کر کے ہمیشہ اسلام کے لئے شمشیر بکف رہے نان جویں کو بھی ترسیں اور رسول
کریم کا ابر کرم اپنی صاحبزادی کے سوا کسی پر نہ برسے۔ کیا اس سالار اعظم نے جس کے خیال
میں انتہائی درجے کی وسعت اور اولوالعزمی تھی اور جو گروہ مسلمین کی للہی خیر خواہی اور
ہمدردی کا دعویدار تھا۔ یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ان تمام اغراض و مقاصد سے جو
اس کے پیش نظر ہوں اغماض کو کام میں لاکر او امر الٰہی سے تجاوز کر کے تمام مال و متاع
جس پر اسے تصرف حاصل ہو اپنی بیٹی کو دیدے اور باقی تمام کے حقوق بلاوجہ تلف کر دے؟
کیا ممکن ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمان اس قدر سادہ لوح تھے کہ باوجود اس صریح
بے انصافی کے جو ان کے حق میں روا رکھی گئی ہو ذرا بھی متاثر نہ ہوئے ہوں۔ کیا دشمنان
اسلام ان حالات کی موجودگی میں بیانگ دہل اس امر کا اعلان نہ کریں گے کہ وہ نبی جس کا
مذہب خود غرضی اور نفس پروری کا وظیفہ اور ایثار و اخلاق مکارم کی تکمیل کا ذریعہ تھا

نعوذ باللہ میدان عمل میں اس کے خلاف کرے اور دور کیوں جائیں کیا ہم حضرت امیر یا خاتون قیامت
کے اخلاق و اسوۂ حسنہ سے یہ امید کرسکتے ہیں کہ ان کے باپ کی پیاری امت تو اس رنج و مصیبت میں
گرفتار ہو اور وہ اتنی بڑی صاحب جاگیر ہو کر ذرہ بھر بھی امداد نہ کریں۔ چنانچہ ناسخ التواریخ
میں جس کا مصنف شیعوں میں ایک بڑے پایہ کا عالم گزرا ہے لکھتا ہے کہ سب سے آخری غزوہ جو
سنہ ۹ھ میں واقع ہوا۔ غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے (فدک سنہ ۷ھ میں تسخیر ہوا تھا) اور یہ ایام
مسلمانوں پر ایسی عسرت اور مصیبت کا تھا کہ اس کا نام جیش العسرہ ہو گیا۔ جہاد کی ترغیب اور
تحریص میں آیات باری نازل ہوئیں۔ صادق مسلمانوں نے اپنے مقدور سے زیادہ سامان
تجہیز لشکر میں مدد دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا تمام مال و متاع رسولؐ کے سامنے رکھ دیا۔
حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال راہ خدا میں دے ڈالا۔ حضرت عثمانؓ نے ۳ سو اونٹ مع سامان اور
ہزار مثقال زر سرخ پیش کئے جس پر حضور صلعم نے دعا کی کہ خدایا میں عثمانؓ سے راضی ہوا۔ حضرت
عباس بن عبد المطلب اور طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن عبادہ اور محمد بن سلمہ نے بقدر استطاعت
مدد کی۔ عبد الرحمن بن عوفؓ نے چار ہزار درہم پیش کئے۔ لیکن یہ تمام رقوم اس قدر نہ تھیں کہ ضرورت
کو کفایت کرتیں اس لئے نساء المومنین نے اپنے زیور اتار دیئے لیکن احتیاج کا یہ حال تھا کہ
عاصم بن عدی انصاری نے خرمے اور ابو عقیل انصاری نے سوا سیر چھوہارے لشکر کے سامان
کے لئے پیش کئے اور وہ بھی قبول ہوئے۔ ایک جماعت مسلمین جو اس قدر مفلوک الحال تھی کہ دامے
درمے مدد نہ کرسکتی تھی انہوں نے اپنی جانوں کو پیش کیا اور رسول اللہ سے التجا کی کہ ہم قوت و
ثروت سے تہی دست ہیں ہمیں کچھ سواری عنایت ہو تو ہم بھی راہِ خدا میں جہاد کریں لیکن جس
وقت رسول اللہ نے جواب میں فرمایا کہ جو چیز تم مجھ سے طلب کرتے ہو وہ میرے پاس موجود نہیں
تو ان کی یاس کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ روتے ہوئے دربار رسالت سے نکل گئے اور جماعت
بکائین سے ملقب ہوئے۔ چنانچہ اللہ پاک نے ایک آیت ان کی شان میں نازل فرما کر انہیں اخروی
سعادت کے انعام سے مالا مال کر دیا۔ غرض اسی سعی کے بعد بھی اسلامی لشکر کچھ سوار کچھ پیادہ غرض
عجب شان سے چلا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے کہ فدک کو مسخر ہوئے تین سال گزر چکے تھے۔
اگر حضور صلعم کے پاس بقول شیعہ حضرات اس قدر مال ہوتا تو وہ کیوں تیاری لشکر اور دیگر
حوائج کے لئے اتنے پریشان ہوتے خاتون قیامت جو ایثار میں شہرت تامہ رکھتی ہیں اور جن کی
سخاوت و بذل کے بے شمار واقعات مرقوم ہیں۔ حضور کو اس فکر سے سبکدوش نہ فرما دیتیں۔ بلکہ

بلکہ برخلاف اس کے حضرت علی کا نام چندے کی فہرست میں نہ ہونا اس کا موید ہے کہ آپ بھی نہائت عسرت کا وقت تہا۔ اگر اس سب کا بھی یہی جواب دیا جائے کہ یہ سب دولت تو رسول کے قبضے میں تہی اور آپ ہی اسے صرف فرماتے تھے۔ لیکن وہ خاتون کو ہبہ کر دی تھی تو بھی یہ جواب قابل اطمینان نہ ہوگا۔ کیونکہ حضور صلعم کا یہ فعل ایک ایسا نمونہ قایم کرتا ہی جو شان رسالت کے منافی ہے اور خود قرآن مجید میں وارد ہے کہ اے نبی اگر تم چاہتے ہو کہ تمام دنیا سے بڑھ کر متقی ہو جاؤ تو ترک دنیا کرو اور فکر عقبے میں مصروف ہو ان واقعات کی حاضری میں کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ حضور صلعم نے اتنی بڑی جاگیر اپنے یا اپنی ذریت کے لئے حکم خدا کے خلاف مخصوص کر دی ہو۔ یہ ایک بہتان عظیم ہی جو فرقہ سبائیہ ہی کے لئے سزاوار ہو سکتا ہے

علمائے شیعہ کی حرکات مذبوحی

علمائے شیعہ نے فدک کے متعلق مدعی سست و گواہ چست کا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ اہلبیت کی اسے ملکیت قرار دیتے ہیں اس قدر کثیر التعداد روایات اختراع کی ہیں کہ وہ دفتر پریشان بجائے اس کے کہ ان کے دعاوی کا موید ہو کر کوئی مفید نتیجہ مترتب کرتا ان کے حق میں نہائت ہی مضرت رساں ہے اور روایات کی کثرت ہی ان کے اقوال کی تکذیب کر رہی ہے کیونکہ انہیں اس قدر تخالف و تضاد واقع ہو گیا ہے کہ دروغگو را حافظہ نباشد کی مثل ان پر صادق آتی ہی۔ ہم نہائت اختصار کے ساتھ اُن روایات کو قلمبند کر کے فیصلہ اصحاب بصیرت پر چھوڑتے ہیں تاکہ وہ خود دیکھیں یہ روایات کس قدر معتبر اور ثقہ ہیں کہیں تو رسول خدا خود بنا بر الفت اس کا ہبہ کرتے ہیں۔ کہیں حضرت فاطمہ کی طلبی پر دیا جاتا ہے کسی روائت میں یہ حضرت خدیجہ کے مہر میں ان کے حوالے کیا جاتا ہے اور کہیں بہ تعمیل ارشاد ربی اس کی تفویض حضرت فاطمہ کو کی جاتی ہے غرض دیہ مسئلہ علمائے شیعہ کے نزدیک شاملات دیہہ کی حیثیت رکھتا ہے جسمیں سب نے اپنی عقل کی بھینس چرا لی ہے، اور خوب جی بھر کر بے تکی گپیں ہانکی ہیں

(۱) بحار الانوار کتاب العین مصنفہ ملا باقر مجلسی میں مرقوم ہے کہ جب آیہ وات ذالقربی نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہ کو بلواؤ اور فرمایا کہ اے بیٹی فدک اُس میں سے ہے جس پر مسلمانوں نے چڑہائی نہیں کی اور وہ خاص میرا ہے مسلمانوں کا اسمیں کوئی حق نہیں اور وہ میں تمہیں دیتا ہوں کہ مجھے حکم الٰہی ہے پس اسے تم اپنے اور اپنی اولاد کے لئے لے لو

(۲) دوسری روائت حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے اور جسے ہم تسخیر فدک میں

لکھ چکے ہیں کہ جب نبی کریم مدینے میں فدک کی کنجیاں لیکر داخل ہوئے تو خود خاتون قیامت کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ فدک عطیہ خدا ہے اور خاص عطیہ ہے میرے ذمے تمہاری ماں کا مہر واجب الادا ہے اس لئے میں فدک تمہیں اور تمہارے بعد تمہاری اولاد کو دیتا ہوں۔ پھر حضرت علی کو بلا کر ہبہ نامہ لکھوایا جسپر ام ایمن اور حضرت علی نے گواہی کی پھر اہل فدک حضرت کے پاس آئے اور ۲۴ ہزار دینار سالانہ پہ اس کا اجارہ لے گئے۔

(۳)۔ تیسری روایت مناقب ابن شہر آشوب سے ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں یوں قلمبند کی ہے کہ جب آیۂ وآت ذالقربیٰ نازل ہوئی تو آپ نے حضرت جبرئیل سے اس کے معنی پوچھے۔ جبرئیل نے کہا کہ فاطمہ کو فدک دیدیجئے کہ وہ ان کی ماں خدیجہ اور ان کی بہن ہند کی میراث میں سے ہے پھر آپ نے جو کچھ مال فدک سے لیا تھا اسے لیکر فاطمہ کے پاس آئے اور تمام واقعہ بیان کیا حضرت خاتون قیامت نے فرمایا کہ وہ رسول کی زندگی میں کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتیں لیکن حضور نے فرمایا۔ کہ انہیں خوف ہے کہ لوگ ان کی وفات کے بعد یہ مال غصب نہ کرلیں چنانچہ آپ نے لوگوں کو حضرت خاتون قیامت کے گھر میں جمع کیا اور اعلان کردیا کہ فدک فاطمہ کا مال ہے۔

(۴) چوتھی روایت بحار الانوار میں بحوالہ تفسیر عیاشی یوں مرقوم ہے کہ جب آیہ وآت ذالقربیٰ نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے جبرئیل سے فرمایا۔ کہ مسکین تو میں جانتا ہوں لیکن ذالقربیٰ کون ہیں جبرئیل نے کہا کہ آپ کے اقارب۔ تب آپ نے حسن حسین اور فاطمہ کو بلا کر انہیں فدک عطا کیا

(۵) اس کتاب میں ایک اور روایت عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ جب جبرئیل آپ کو حدود فدک بتانے کے لئے لے گئے اور واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ نے آپ سے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے اسپر فاطمہ نے عرض کیا کہ اے میرے باپ میں بعد آپ کے افلاس و احتیاج سے ڈرتی ہوں فدک مجھے دیدیں۔ چنانچہ آپ نے فدک انہیں عطا فرما دیا اور انہوں نے قبضہ کرلیا پھر آنحضرت نے حضرت علی اور ام ایمن سے کہا کہ تم اسپر گواہ رہو

روایات متذکرہ الصدر کے مطالعہ اور ان پر سرسری غور کرنے سے فی الفور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام مجموعہ موضوعات ہیں جسے حسب موقع و محل حسب ضرورت اختراع کیا گیا ہے اور ان میں جو تخالف و تضاد واقع ہوا ہے وہ اس مسئلہ کا بطلان نہایت عمدگی اور عجیب طریقہ سے کرسکتا ہے اور حضرت صدیق اکبر کو اس بہتان عظیم سے جو ان کی ذات پر ان کے دشمنوں نے عائد کرنے کی کوشش کی تھی بری الذمہ قرار دیتا ہے۔

اغراض و مقاصد دائرۃ الاصلاح لاہور۔ (۱) مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی تلقین کرنا۔ (۲) بزرگان دین کی عظمت و حرمت کا سکہ دلوں میں بٹھانا (۳) خلاف شرع رسم و رواج کی بیخکنی کرنا

ذرا انصاف سے اے مومنو! کہنا خدا لگتی

ہم اپنے شیعہ حضرات سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی مذہبی کتب کا بے تعصبی سے مطالعہ کریں تاکہ ان پر بھی منکشف ہو جائے کہ صحابہ عظام اور اہلبیت کرام میں مغایرت نہ تھی بلکہ ایک دوسرے کے سچے جاں نثار اور حقیقی بہی خواہ تھے اور انھوں نے اپنی تمام عمریں صرف ایک مقصد یعنی خدمت اسلام کے لئے وقف کر رکھی تھیں اور اسی میں دن رات منہمک تھے۔ سرور دو عالم نے اسلام کی پاک تعلیم سے ان کی تربیت فرمائی اور ان میں عالی ظرفی پاک حوصلگی اور وسیع النظری پیدا کر کے ان کی ذات کو اس قدر بلند و بالا کر دیا تھا کہ جلب منفعت یا حصول دولت کے خیالات دنی ان سے کوسوں دور رہتے تھے۔ اور اگر کوئی بدباطن انکی نسبت ایسا گمان فاسد رکھتا ہے تو وہ ان اعلیٰ ہستیوں کو تو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے البتہ اپنے خبث نفس کا اظہار علی الاعلان کر جاتا ہے بدظنی و عیب جوئی محروم اخلاق و ایمان ہیں اور جو شخص ان ہر دو کو اپنے مذہب کا اساسی اصول قرار دے بیٹھتا ہے وہ اپنی اصلاح اور تزکیہ نفس سے غافل ہو کر ایسا بیباک اور دریدہ دہن ہو جاتا ہے کہ ہر ارفع و اعلیٰ ہستی پر خوردہ گیری کرنے سے نہیں چوکتا۔ اسی اصول پر کاربند ہو کر خوارج نے حضرت علی اور اہلبیت کرام کی برگزیدہ اور پاک ہستیوں پر وہ نامعقول اور لغو الزام عائد کئے کہ العظمۃ اللہ لیکن اس جرم کا ارتکاب حضرت امیر اور اہلبیت کی قدر و منزلت کو تو کیا کم کر سکتا ہے البتہ خوارج کو ہمیشہ کے لئے ایمان سے بے بہرہ کر کے مردود بنا دیا گیا۔ اسی طرح صحابہ عظام جو اپنی حسن خدمات کے صلے میں دربار نبوی اور بارگاہ کبریا سے بیش از بیش انعامات حاصل کر چکے ہیں جن کا ایک عالم معترف ہے اور جو بعد رحلت بھی ہم بھر کے لئے رسول اللہ صلعم سے جدا نہ ہوئے اور جن کی قبور کی زیارت ہر سال دنیائے اسلام کو مشرف کر رہی ہے کسی بدباطن اور یاوہ گو کے طعن و تشنیع یا بیجا تعصب اور حسد کے باعث اپنے خداداد عالی درجات سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے اور جو شخص اس سعی لاطائل میں اپنی عمر عزیز کو صرف کرتا ہے اسکی بعینہ وہی حالت ہے جس طرح کہ ایک سادہ لوح نے سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر ایک کوزہ سے پانی نکال نکال کر پھینکنا شروع کر دیا تھا اور عزم کر لیا تھا کہ وہ سمندر کو خشک کر دیگا۔ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل و کرم سے اسلام کی دولت اور امت محمدی ہونے کی سعادت نصیب کی ہے ہمارا دینی فرض ہے کہ خدا و رسول صلعم کی اتباع کے بعد رسول مقبول کے صحابہ کرام کا ادب اور احترام بھی ملحوظ رکھیں جن کی اتباع میں رضائے خدا وابستہ ہے چہ جائیکہ ان کو مورد طعن بنائیں اور جھوٹ موٹ بہتان لگائیں اور ان کی نسبت ناحق ناروا مسلمانوں میں بدظنی پھیلائیں۔ حاشا و کلا کیونکہ اسمیں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ سابقین الاولین مہاجرین و انصار کی تذلیل و تحقیر سے تمام صحابہ کی تحقیر ہوتی اور صحابہ کی تحقیر سے ان کے صاحب معلم و مزکی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر یقینی ہے۔ کاش ہمارے شیعہ دوست خالی الذہن ہو کر اپنے قدیم اعتراضات

و وجوہ ناراضگی پر از سر نو غور فرمائیں امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ وہ بہت جلد صحیح نتائج تک پہنچ جائیں گے اور عجب نہیں